R-No. 2186/57

REGD. N.L.822

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ ہائے اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

فون نمبر
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی کاپی ۱۰ پیسے

جلد۷-۲-شمارہ	ایڈیٹر: آل احمد سرور	۲۲ دسمبر ۱۹۶۸ء

اداریہ

طلبا کی برہمی اور ہمارا فریضہ

افسوس ہے کہ طلبہ میں آج جو بے چینی ہے اس کے اسباب پر غور کم ہوتا ہے، اس کی مذمت کر کے لوگ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتے ہیں۔ کوئی بھی سنجیدہ آدمی طلبہ کے تشدد کی تائید نہیں کر سکتا اور وہ اگر ہنگامے کریں یا توڑ پھوڑ کی کارروائی کریں یا قومی دولت برباد کریں تو لازم ہے کہ ان کے خلاف مناسب کارروائی کی جائے۔ مگر ہمیں یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ ان کے اندر سماج کے خلاف، اپنے بزرگوں کے خلاف، ارباب اقتدار کے خلاف اس قدر غصہ اور برہمی کیوں ہے؟ طلبہ ہمارے سماج کا سب سے حساس طبقہ ہیں۔ سماج کی خرابیوں پر بڑے کڑھتے ہیں یا تقریریں کرتے ہیں یا کتابیں لکھتے ہیں یا اپنے زمانے کی قدروں کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ اس سے کام نہیں چلتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان نوجوانوں کی نفسیات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ ان کی برہمی، بیزاری اور بے راہ روی کی وجہ کیا ہے۔ دراصل ہم نے آزادی کی جدوجہد جن آدرشوں کو سامنے رکھ کی تھی انھیں پس پشت ڈال دیا ہے۔ آزادی کی نعمتوں اور برکتوں سے سبھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آزادی کی ذمہ داری کم بلکہ بہت کم لوگ پوری کرتے ہیں۔ ہم نام جمہوریت، سیکولرزم، تہذیب اور انسانیت، مساوات اور سماجی انصاف کا لیتے ہیں، مگر ہمارے عمل سے ان قدروں کی تائید کم ہی ہوتی ہے۔ ہم نے سوشلزم کو منزل مقصود قرار دیا ہے مگر ہم منافع خوروں، اجارہ داروں، بڑے سرمایہ داروں کو برابر چھوٹ دیتے ہیں۔ جواہر لال نہرو نے کہا تھا کہ نفع خوروں کو شاہراہ عام پر سزا دی جانی چاہئے، مگر کیا ہم نفع خوری کو روک سکتے ہیں۔ ہمارے منصوبے کاغذ پر زیادہ ہوتے ہیں، عمل میں کم آتے ہیں۔ ہماری تعلیم بے روزگاروں کی تعداد میں اضافہ کر رہی ہے۔ ہمارے انجنیر بیکار پھر رہے ہیں۔ ہمارے گریجویٹوں کو کلرکی نہیں ملتی۔ زیادہ تر لوگ اپنے مفاد کی یا اپنے کنبے اور برادری کے مفاد کی فکر میں لگے رہتے ہیں، ملک کے مفاد کا بہت کم لوگوں کو خیال ہے۔ ہم میں قومی حمیت کم ہوتی جا رہی ہے اور دوسرے ملکوں سے بھیک مانگنے میں ہمیں شرم محسوس نہیں ہوتی۔ ہمارے استاد اپنی ترقی کی فکر میں لگے رہتے ہیں، ہمارے کلرک بقول جے پرکاش نرائن پورے پیسے آدھا کام کی سوچتے ہیں، ہماری سیاسی پارٹیوں کو صرف اقتدار حاصل کرنے کی سوجھی ہے۔ قحط، سیلاب، بے روزگاری، بھی قومی مسئلے نہیں سیاسی پارٹیوں کی چالوں کے مسالے بن جاتے ہیں۔ وزیر جوڑ توڑ میں لگے رہتے ہیں۔ مجالس قانون ساز کے ممبروں کا کوئی اصول نہیں۔ آج اس پارٹی میں ہیں کل دوسری میں اور اگر پہلی پارٹی میں پھر ترقی کے امکانات دیکھے تو پھر اس میں واپس۔ ہمارے دفتروں میں کام کم ہوتا ہے، باتیں زیادہ۔ ہماری ریلیں، ہمارے ڈاک گھر سب سستی اور کاہلی کے شکار ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان اور جرمنی جیسے ملک تباہ ہو گئے تھے۔ انھوں نے محنت اور لگن سے پھر خوشحالی حاصل کر لی۔ ہم اپنے تعلیمی اداروں میں جن قدروں کا پرچار کرتے ہیں ان کو عملی دنیا میں کوئی نہیں پوچھتا۔ آج ہمارے ملک میں کسی طرح کامیابی، دوسرے کو دھکا دے کر آگے بڑھنا، چالبازی، دوسرے کا حق مار کر روپیہ بٹورنا عام ہے۔ مغرب سے ہم نے اس کے تمدن کی خرابیاں لے لیں، اس کی علم و حکمت کی لگن، خدمت خلق کا جذبہ اور سماجی شعور نہیں لیا۔ پرانی تہذیب کی انسان دوستی اور رواداری کو ہم بھول گئے، اس کے فرسودہ رسم و رواج اور اس کی توہم پرستی کو یاد رکھا۔ آزادی کے بعد دنیا کو ہم سے کتنی امیدیں تھیں اور خود ہم نے کیسے کیسے خواب دیکھے تھے لیکن آج ان

امیدوں اور خوابوں کا کیا حال ہے۔ کیا عام لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ معقول بات کوئی نہیں سنتا اور جب تک کوئی ہنگامہ نہ کیا جائے، کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ہمارے وہ ادیب اور شاعر، وہ دانشور اور سائنس داں کہاں ہیں جنھیں قوم کا ضمیر کہا جاتا تھا۔ وہ (ESTABLISHMENT) یا اقتدار کا جز کیوں بنتے جا رہے ہیں۔ کسی کے ذاتی مفاد پر آنچ آئے تو وہ آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے، مگر قومی مفاد کا خون ہوتے ہوئے سب دیکھتے ہیں اور پر زور احتجاج بھی نہیں کرتے۔ ان حالات میں یہ نئی نسل جسے اپنے بزرگوں سے جنت کے بجائے جہنم ملا، برہم ہو تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ یہ مسئلہ اب سیاسی پارٹیوں کی اکھیڑ پچھاڑ کا نہیں رہا۔ انتقامی کارروائیوں سے اسے حل نہیں کیا جا سکتا۔ پولیس کے ڈنڈوں کے ذریعہ سے طلبہ کے غصے کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ طلبہ سے قریبی رابطہ قائم کیا جائے، ان کی نفسیات کو سمجھا جائے، ان کے لئے روزگار مہیا کیا جائے، ملک کو سرمایہ داروں اور چالاک سیاست دانوں کی لوٹ مار سے بچایا جائے، ہر ذمہ دار آدمی پہلے اپنے فرض کو بجا لائے پھر دوسروں سے اس کے کام کے متعلق پرسش کرے۔ طلبہ میں سیاسی شعور پیدا کیا جائے، مگر ان کو ہنگاموں اور تشدد سے روکا جائے۔ طلبہ کو راہ راست پر استاد لا سکتے ہیں کیونکہ بال ہٹ اور راج ہٹ دونوں کو وہ سمجھتے ہیں۔ مگر استادوں کو اس کام کے لئے اپنے خول سے نکلنا ہوگا انھیں ایک طرف اپنے فرائض منصبی پر پوری توجہ کرنی ہوگی، دوسری طرف اچھے کردار سے طلبہ کو اپنی طرف مائل کرنا ہوگا تیسری طرف انھیں افسروں اور سیاست دانوں سے یہ منوانا ہوگا کہ وہ زندگی کی بدلتی ہوئی قدروں کی روشنی میں محنت اور خدمت کی راہ اختیار کریں۔ ذاتی منفعت اور فرعونیت کی روش خدا کے لئے ترک کر دیں ورنہ ملک کا خدا حافظ ہے۔

سیاست داں اور افسر ابتک اس آگ کا تماشہ دیکھ رہے ہیں اور اپنی بانسری بجا رہے ہیں۔ استادوں کو ہمت کر کے طلبہ کے دل ہاتھ میں لینا چاہئیں اور حکومت اور سماج کو راہ راست پر لانا چاہئے۔

انڈیا آفس لائبریری کا معاملہ ٹریبونل کے سپرد

لاہور۔ ریڈیو پاکستان نے بتایا ہے کہ لندن کی انڈیا آفس لائبریری کا معاملہ فیصلے کے لیے ایک ٹریبونل کے سپرد کیا جا رہا ہے۔ انڈیا آفس لائبریری میں اردو، ہندی، فارسی، عربی، سنسکرت اور دیگر ہندوستانی زبانوں کی ہزاروں نایاب کتابیں، تاریخی کاغذ، تصویریں اور نقشے محفوظ ہیں۔ ہندوستان پاکستان اور برطانیہ کے درمیان اس کے مستقبل پر اختلاف ہے۔ برطانیہ اس کو لندن ہی میں رہنے دینے پر اصرار کر رہا ہے اور پاکستان اس کی تقسیم چاہتا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ برطانیہ نے اس کا معاملہ پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کے تین ممبر ہوں گے　　(قومی آواز)

احمد آباد سے اردو ماہنامہ کا اجراء

احمد آباد اردو داں طبقہ میں عموماً اور اہل ذوق حضرات میں خصوصاً یہ یہ خبر نہایت ہی مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ ریاست گجرات سے ندائے گجرات جنوری ۱۹۶۹ء سے شائع ہو رہا ہے۔ ریاست گجرات میں یہ پہلا اردو ماہنامہ ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے حسب ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔

مختار احمد انصاری ایم۔ اے

ایڈیٹر ندائے گجرات مرزا پور پوسٹ کس وارڈ احمد آباد

غالب پر روسی زبان میں مقالہ

ماسکو انیسویں صدی کے صاحب طرز اردو فارسی شاعر و نثر نگار مرزا اسد اللہ خاں غالب کے موضوع پر ایک مقالہ پیش کرنے پر اردو ادیب ظ انصاری کو ایشیائی علوم کے روسی انسٹی ٹیوٹ نے ماسٹر آف آرٹس (ایم۔ اے) کا علمی اعزاز بخشا ہے اور کہا ہے کہ ہندوستانی شاعر مرزا غالب پر یہ پہلا بنیادی کام ہے جو روسی زبان میں پیش کیا گیا ہے۔　(ریاست)

مولانا مقتدا خاں شروانی انتقال فرما گئے

علی گڑھ۔ ایم۔ او کالج کے طالب علم جناب مولانا مقتدا خاں شروانی ۹۱ سال اور ۶ ماہ کی عمر میں ڈھائی ماہ علیل رہ کر انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ مرحوم کے جنازہ میں مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر، یونیورسٹی اور شہر کے ممتاز حضرات شریک تھے۔ مقتدا خاں شروانی سر سید مرحوم کے ایم۔ او کالج کے طالب علم تھے اور تمام زندگی مسلم یونیورسٹی، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی خدمت انجام دیتے رہے۔

ہندوستان کے مشہور اخبار پیسہ اخبار میں بھی انھوں نے عرصہ تک کام کیا۔ مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے ایڈیٹر بھی رہے اور متعدد علمی، ادبی کتابوں کے مصنف تھے زندگی کے آخری سولہ سال ادارہ تعلیم اردو کی خدمت میں صرف کئے وہ اپنی ذات سے ایک تاریخ اور ایک عہد تھے۔

(الجمعیۃ)

> **"ہماری زبان"**
> سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

ڈاکٹر فرمان فتحپوری

غالب کی یادگار قائم کرنے کی اولین تجویز

غالب جیتے جی جس قدر دانی اور عزت افزائی کے مستحق تھے وہ انھیں نہ ملی بلکہ وہ اپنی بڑھی ہوئی انفرادیت اور جدت پسندی کی بدولت اپنے عہد میں اجنبی ہی رہے۔ لیکن زمانے کی اس بے اعتنائی کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ انھیں اپنی ذات وصفات کا ایسا عرفان حاصل تھا کہ وہ خارجی حالات کے سامنے کبھی سپر انداز نہیں ہوئے۔ بلکہ اپنے کمالِ فن کے بارے میں کامل اعتماد و یقین کے ساتھ اعلان کرتے رہے کہ آج نہ سہی کل سہی میرا کلام بہرحال شہرت پائے گا۔

کوکبم را در عدم اوجِ قبولی بودہ است
شہرتِ شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن

ان کی یہ پیشین گوئی لفظ بلفظ صحیح نکلی۔ ان کی وفات کے بعد ان کی شہرت و عزت روز بروز بڑھتی گئی۔ مولانا حالی کی یادگارِ غالب اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کی محاسنِ کلامِ غالب کے بعد تو ان کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ ساری اردو دنیا ان کے فکر و فن پر ٹوٹ پڑی چنانچہ گذشتہ پچاس سال میں جس دلچسپی و انہماک کے ساتھ غالب کی زندگی اور کلام کا مطالعہ کیا گیا ہے اور جس تفصیل و تحقیق کے ساتھ ان کے فکر و فن کے بارے میں لکھا گیا ہے کسی دوسرے اردو شاعر کے متعلق نہیں لکھا گیا لطف یہ ہے کہ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا ہے۔ ان کی مقبولیت بڑھتی جا رہی ہے چنانچہ یہ ان کی بڑھتی ہوئی مقبولیت ہی کا نتیجہ تو ہے کہ نہ صرف پاک و ہند بلکہ پاک و ہند کے باہر بھی عوامی اور سرکاری یا نیم سرکاری دونوں سطحوں پر ان کی صد سالہ برسی منانے کا اہتمام کیا جا رہا ہے اور کچھ اس انداز سے کہ یہ برسی نہ صرف اپنی نوعیت کی پہلی عظیم و ہمہ گیر ادبی تقریب ہوگی بلکہ ہماری ادبی تاریخ میں ایک یادگار واقعہ کی حیثیت رکھے گی۔

اس سلسلے میں اب تک جو متوقع پروگرام سامنے آئے ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس تقریب کا اہم مقصد غالب کی یاد کو از سرِ نو تازہ کرنا۔ ان کی شخصیت اور فن کو دنیا سے روشناس کرانا، ان کی زندگی اور کلام کو مزید صحت و صفائی کے ساتھ شائع کرنا، ان کی زندگی اور کلام کے بارے میں تازہ مواد جمع کرکے کتابی صورت میں لانا، پرانے مواد کو ایک مفصل و مکمل ببلوگرافی کی شکل دینا۔ ان کی زندگی اور فن کے بارے میں تحقیقی مطالعہ کی سہولتیں فراہم کرنا اور اس قسم کے دوسرے کاموں کے ذریعے غالب کے شایانِ شان ایک علمی و ادبی یادگار قائم کرنا ہے۔

اس قسم کی یادگار قائم کرنے کا خیال پہلے کس کے ذہن میں آیا اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا، اس لئے کہ اس قسم کی یادگار قائم کرنے کے سلسلے میں غالب کے نام پر ادبی انجمنوں کے نام رکھنے، غالب اکیڈمی قائم کرنے اور غالب کے نام سے ادبی پرچوں کی بعض اشاعتوں کو مخصوص کرنے کا سلسلہ انفرادی سطح پر ایک عرصے سے قائم ہے۔ رہا اجتماعی سطح پر اس قسم کی یادگار قائم کرنے کا سوال تو یہ خیال بھی نیا نہیں ہے بہت پرانا ہے چنانچہ آج ہم اس سلسلے میں جو کچھ کرنا چاہتے ہیں یا کر رہے ہیں، اسے بروئے کار لانے کی تجویزیں، غالب کی وفات کے فوراً بعد سامنے آنے لگی تھیں، اس قسم کی ایک تجویز جسے یادگارِ غالب کے سلسلے کی اولین تجویز کہنا چاہیے غالب کی وفات کے دوسرے مہینے ۲۲ر مارچ ۱۸۶۹ء کے اودھ اخبار میں شائع ہوئی تھی۔

یہ تجویز غالب ہی کے ایک شاگرد مردان علی خاں رعنا کی ہے مولانا غلام رسول مہر نے رعنا کے نام غالب کے دو خطوط درج کئے ہیں[1] لیکن حالاتِ زندگی پر وہ روشنی نہیں ڈال سکے لکھتے ہیں کہ

"ان کے متعلق صرف یہ معلوم ہو سکا ہے کہ مہاراجہ کپورتھلہ کے مقربین میں سے تھے اور کلکتہ کا سفر بھی کیا تھا۔ تاریخ

---

[1] خطوطِ غالب حصہ دوم ص [illegible] مطبوعہ کتاب منزل لاہور طبع اول

امجد غزنوی

غزل

کچھ عجیب بدلا سا رنگِ میکدہ پایا
ہم نے بادہ نوشوں کو آج غمزدہ پایا

بجلیوں کو گلشن سے دور کرکے گلشن میں
لوٹ کر جب آئے ہم آشیاں جلا پایا

آج ان کی محفل میں ہم نے میرِ محفل کا
سر جھکا جھکا دیکھا دل بجھا بجھا پایا

پھونک کر قفس اپنا شاخِ گل پہ جا بیٹھے
ہر طرف سے جب ہم نے بند راستہ پایا

آج اس اندھیرے میں کس نے دستگیری کی
اپنے زیرِ پا ہم نے اُنکا نقشِ پا پایا

موسمِ بہاراں میں اپنے ہی گلستاں میں
جس جگہ قدم رکھا لاکھ کربلا پایا

سر پھرے سے ساحل کو دوڑ ہی پڑیں موجیں
جب سفینہ والوں میں عزم و حوصلہ پایا

راستی کی راہوں میں مدتوں سے امجد کو
صبح و شام باطل سے جنگ آزما پایا

نے اپنے تذکرۂ شعرا میں لکھا ہے کہ "راقم نے ان کو کلکتہ میں دیکھا ہے۔ اور غنچہ راگ ان کا نظر سے گزرا۔ لیکن سب کہ غنچہ راگ رعنا کی کوئی کتاب ہو"[1]

مالک رام نے البتہ ان کا حال تفصیل سے لکھا ہے ان کا بیان ہے کہ

"بروز دوشنبہ ۲ر جون ۱۸۶۹ء (۱۱ جمادی الثانی ۱۲۸۶ھ) کو سرینگر میں ہیضہ میں وفات پائی۔ علم دوست آدمی تھے شروع میں مضطر تخلص کیا۔ بعد میں بدل کر رعنا کر لیا۔ جب نواب کا خطاب ملا تو تخلص قائم کھنے لگے۔ چنانچہ ایک رباعی میں یہ خود اس کا ذکر ہے۔

آغاز سخن میں مضطر تھا نام — رعنا تھا شباب شاعری کا ہنگام
ہے زیر نگیں جو کشور نظم نواب — نواب خطاب اور تخلص ہے نظام

صاحب تصنیف تھے علم جفر میں جفر جامع اور جفر کبیر کے علاوہ ایک ضخیم کتاب شاہ ایران کے نام پر لالی ناصری (۱۲۸۱ھ) تالیف کی۔ تاریخ میں ایک مجموعہ تاریخ ابجاد (۱۲۷۷ھ) کی۔ علم موسیقی پر بھی دو کتابیں یادگار ہیں نغمۂ انجم اور غنچہ راگ (۱۲۷۹ھ) ریاست جودھپور کی تاریخ "تواریخ مارواڑ" (۱۸۶۹ء) کے نام سے لکھی۔ دو کتابیں مسمریزم کے مضمون پر لکھیں۔ سیر غائب (۱۲۸۳ھ) اور علم نظر (۱۲۸۹ھ) اردو میں اس موضوع پر غالباً یہ پہلی کتابیں ہیں۔ انگریزی کی مشہور کتاب ٹاڈ راجستھان کا اردو ترجمہ بھی ان ہی کی توجہ سے چھپا۔ ان کے اپنے اردو فارسی کلام کا مجموعہ اسی مطبع (مطبع نول کشور لکھنو) سے کلیات نظام کے نام سے دسمبر ۱۸۷۵ء میں چھپا۔ ... غالب کے بعد دبیر الدولہ منشی مظفر علی خاں اسیر مرحوم سے اصلاح لی"[2]

مردان علی خاں رعنا کی اصل تجویز اودھ کے اخبار کی اشاعت میں چھپی تھی۔ اس تک ہماری دسترس نہ ہو سکی۔ لیکن گارساں دتاسی نے اسے فرانسیسی زبان میں منتقل کر کے اپنی تاریخ ادب ہندوستانی میں محفوظ کر لیا ہے اور اسی کا اردو ترجمہ اس وقت ہمارے سامنے ہے اور ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے۔

"یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستانی شعرا میں غالب مرحوم خاتم الشعرا تھے اور ان کے بعد حقیقی شاعری کا وہ رنگ باقی نہ رہا۔ ایک ایسے استاد کے لئے جس نے اپنی ذہانت سے ہندوستان پر جادو کا اثر دکھایا ہو ضروری ہے کہ ایک ایسی یادگار قائم کی جائے جو ان کے شایان شان ہو۔ اس کام میں جو لوگ ہاتھ بٹا سکتے ہیں وہ ان کے تلامذہ میں ہیں۔ اس لئے میں گزارش کرتا ہوں کہ وہ فرمانبردار شاگردوں کی طرح صمیم قلب سے اس خیال کو جلد سے جلد عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں۔ میری ناچیز رائے میں دلی کے مخصوص حضرات کو ایک انجمن کی تشکیل کرنی چاہئے۔

یہ انجمن اس تجویز کو غور و فکر کے بعد منظور کرے اور تخمینہ پیش کرے کہ اس یادگار کے قائم کرنے میں کیا خرچ آئے گا۔ پھر اس رقم کو پورا کرنے کے لئے چندہ جمع کرنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن میرے خیال میں یہ یادگار خالص ادبی یعنی ایک کتاب کی صورت میں ہو تو بہتر ہے جس کے پہلے حصے میں ان تاریخی واقعات کو اردو فارسی میں مرتب کیا جائے جن کا ان کی ذات سے گہرا تعلق ہے اور جو دوسروں کے لئے دلچسپی کا سبب نہیں۔ دوسرے حصے میں ان نظموں اور مضامین کو جمع کر دیا جائے جو ان کے شاگردوں نے لکھے ہیں اس کے بعد ان قطعات تاریخ اور مرثیوں کو مرتب کیا جائے جو ان کے شاگردوں نے ان کی وفات پر لکھے ہیں اس کتاب میں ان کے شاگردوں کی قدر تحریریں ہوں لیکن یہ تمام نثری اور منظوم تحریریں صرف غالب کے شاگردوں کی ہونی چاہئیں۔ اس کتاب کو دو حصوں اردو اور فارسی پر مشتمل ہونا چاہئے۔ اس کے باوجود اگر کوئی ارادت مند مرحوم کے متعلق کوئی چیز بھیجتا ہے تو اسے بھی کتاب کے خاتمے میں شامل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کتاب میں غالب کی تصویر کے ساتھ ان کے شاگردوں کی مکمل فہرست ہونا بھی ضروری ہے۔ ہر شاگرد اور چندہ دینے والے کو اس کتاب کا ایک نسخہ ملنا چاہئے پھر جو کتابیں بچیں فروخت کر دی جائیں۔

اگر میری اس تجویز پر عمل کیا گیا تو غالب کے شاگرد اپنے لائق استاد کو کھلے بندوں خراج عقیدت پیش کرنے کا حق ادا کریں گے اور یہ اہم ادبی یادگار غالب کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہے گی۔

اگر یہ انجمن میری تجویز کے علاوہ اس شاعر کی یادگار قائم کرنے کی کوئی صورت پیدا کرے تو وہ اور بہتر ہوگی"[3]

محمد مردان علی خاں رعنا شاگرد غالب"

اس تجویز میں جن ادبی کاموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان میں سے ایک کام تلامذہ غالب کے نام سے جناب مالک رام صاحب نے نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے دیا ہے لیکن اس تجویز کے بعض پہلو ہنوز توجہ طلب ہیں۔ غالب کے سلسلے میں مختلف شعرا اور بالخصوص ان کے احباب و تلامذہ کی نثری تحریروں، قطعات وفات اور مرثیوں کو کتابی صورت میں یکجا کرنے کا کام ابھی تک باقی ہے۔ یہ کام نہایت ضروری ہے۔ اس کے ذریعے غالب کی زندگی اور فن کے سلسلے کی بہت سی اہم باتوں اور گم شدہ کڑیوں کے سامنے آنے کا امکان ہے۔ امید ہے کہ غالب کے محققین اور پرستار ان کی صد سالہ برسی کے موقع پر اس اہم کام کی طرف بھی توجہ دیں گے اور جس کام کی تجویز آج سے پورے سو سال پہلے کی گئی تھی۔ اسے تکمیل کو پہنچائیں گے۔

[1] خطوط غالب حصہ دوم ص ۴۹۶ مطبوعہ کتاب منزل لاہور طبع اول

[2] تلامذۂ غالب ص ۱۸۱ تا ۱۸۲ مرتبہ مالک رام مطبوعہ مرکز تصنیف و تالیف نکودر طبع اول

تسکین قریشی

جگر مرادآبادی (حیات اور شاعری)

(ایک سرسری جائزہ)

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۲) اس کتاب کے ملاحظہ پر ایک اور غلط بیانی میرے حوالے سے کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو: "ایک دفعہ میرٹھ کے ایک مشاعرے میں جب وہ اپنی غزل پڑھ چکے تو ایک منسٹر صاحب نے جو اس وقت وزیر اطلاعات تھے ان سے غزل سنانے کی فرمائش کی لیکن انھوں نے (جگر نے) ان کے کہنے پر غزل نہیں سنائی"

اصل واقعہ صرف اتنا ہے کہ وہ منسٹر صاحب اس مشاعرے کے صدر تھے اور وہ کسی وجہ سے جلد جانا چاہتے تھے۔ بانیان مشاعرہ نے ان کی خوشنودی خاطر کے لیے جگر صاحب سے اس وقت غزل پڑھنے کی فرمائش کی جب مشاعرہ ابتدائی دور میں تھا اس لیے جگر صاحب نے غزل پڑھنے سے انکار کر دیا تھا بہر حال یہ سب غلط ہے کہ جب وہ اپنی غزل پڑھ چکے تو ان سے فرمائش کی گئی اور یہ بھی غلط ہے کہ وزیر موصوف نے خود فرمائش کی تھی۔

(۳) یہ بھی خلاف واقعہ ہے کہ "ایک دفعہ نواب صاحب رامپور کے مشاعرے میں جگر صاحب غزل پڑھ کر چل دیے تو نواب صاحب نے خود ہی کہا کہ جگر صاحب ہاتھ تو ملا لیجیے تب جگر صاحب نے ان سے ہاتھ ملایا" (صفحہ ۱۵۵)

(۴) محمد اسلام صاحب نے اس مقالے میں صفحہ ۱۵۶ پر میرے حوالے سے لکھا ہے:

"..... جب جگر کو ساہتیہ اکاڈمی سے پانچ ہزار روپیوں کا انعام ملا تو انھوں نے وہیں اپنے ایک دیرینہ دوست کی لڑکی کی شادی کے لیے کئی سونے کے زیورات اور بیش قیمت کپڑے خریدے اور شادی میں ان کو بطور تحفہ پیش کیے" (کیا)؟

اول تو یہی غلط ہے کہ اس زمانے میں جگر صاحب کے ان دیرینہ دوست کی لڑکی کی شادی ہوئی تھی اور یہ تحفہ اس میں پیش کیا گیا تھا پھر کئی سونے کے زیورات اور بیش قیمت کپڑے تو یہ سب اضافہ ہے جگر صاحب صرف ایک بیش قیمت زیور (غالباً دست بند) دہلی سے خرید کر لائے تھے جس کو تحفتہً پیش کیا تھا خود میں نے وہ زیور دیکھا تھا۔ تقریب شادی تو اس واقعہ سے ایک یا دو سال بعد عمل میں آئی تھی۔

یہ تو وہ غلط بیانیاں ہیں جو میرے نام سے منسوب کی گئی ہیں جگر صاحب کے دوسرے احباب و معاصرین کے حوالے سے جو بیانات اس کتاب میں دیے گئے ہیں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں کہاں تک صداقت بیانی سے کام لیا گیا ہے۔

ڈاکٹر محمد اسلام نے اس قسم کے تصرفات بیجا صرف روایات و حالات کے سلسلے میں ہی نہیں کیے ہیں بلکہ ان کی مثالیں ان کے اس مقالے میں بھی ملتی ہیں جو انھوں نے جگر مرحوم کی شاعری پر کیا ہے مثلاً صفحہ ۲۰۹ پر "آتش گل میں محبوب کا تصور" کے زیر عنوان جتنے اشعار انھوں نے نقل کیے ہیں وہ تقریباً سب کے سب "شعلۂ طور" سے ماخوذ ہیں۔ اگر تقابل مقصود تھا تو اس کا حوالہ دینا چاہیے تھا پھر اگر اس کو سہو قلم پر محمول کر لیا جائے تو اس کی کیا تاویل کی جائے کہ صفحہ ۲۱۲ پر "عشق کا اعلیٰ تصور" کے تحت جو اشعار "آتش گل" کے حوالے سے اسلام صاحب نے نقل کیے ہیں ان میں یہ دو اشعار بھی ملتے ہیں۔

تری خوشی سے اگر غم میں بھی خوشی نہ ہوئی	وہ زندگی تو محبت کی زندگی نہ ہوئی
میں رہیں وہ بھی یا کہ مجھے اور چاہیے کیا جگر	غم یار ہے مرا شیفتہ میں فریفتہ غم یار پر

زرنش نگار شاد

والد کے نام

شفیق باپ! کبھی میں نے یہ نہیں دیکھا	ہوئی ہو تجھ کو گوارا مری پریشانی
ہمیشہ مجھ کو نظر آئی تیری آنکھوں میں	نظر نواز تری مہربان تابانی

مگر ہے تیرے سبب آج رحم کے قابل
مری نڈھال طبیعت مرا بجھا ہوا دل

عجیب حال ہے دن رات جستجو تیری	کشاں کشاں لیے پھرتی ہے جابجا مجھ کو
ہر ایک راہ سے مانوس ہوں مگر پھر بھی	سجھائی دیتا نہیں کوئی راستہ مجھ کو

کہاں سے چل کے پہنچا کہاں ہوں کیا معلوم
"نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم"

مجھے تو ہوش نہیں آ تا تیرے تجسس میں	گلی گلی جو یہاں حال زار پھرتا ہوں
تمام شہر کو حیرت ہے میری وحشت پر	تمام شہر میں دیوانہ وار پھرتا ہوں

تری تلاش نے دیوانہ کر دیا ہے مجھے
خود اپنے آپ سے بیگانہ کر دیا ہے مجھے

جو دیکھتا ہوں کہیں کچھ نظر نہیں آتا	جو سوچتا ہوں خیالوں کی آنکھ روتی ہے
گزر رہی ہے پریشان زندگی ایسے	کوئی کٹی ہوئی جیسے پتنگ ہوتی ہے

مرا وجود بھی اب میری دسترس میں نہیں
وہ بے بسی ہے کہ میں خود بھی اپنے بس میں نہیں

میں کھو نہ جاؤں کہیں یاس کے اندھیروں میں	بہت شدید ہوا جا رہا ہے غم میرا
بہت شور کی رگ رگ سے خون جاتا ہے	میں کیا کروں گھٹا جا رہا ہے دم میرا

میں تھک چکا ہوں نہیں تاب انتظار مجھے
جہاں کہیں ہے خدا کے لیے پکار مجھے

اور یہ دونوں شعر شعلۂ طور سے ماخوذ ہیں۔ آتشِ گل کے حوالے سے "محبوب کا تصور" اور "عشق کا اعلیٰ تصور" کے زیرِ عنوان شعلۂ طور کے اشعار کو مثالاً نقل کرنا غلط بیانی نہیں تو کیا ہے۔ قارئین کو یہ خیال ہی نہیں ہو سکتا کہ یہ اشعار شعلۂ طور سے ماخوذ ہیں۔ یہی سمجھا جائے گا کہ آتشِ گل ہی سے نقل کیے گئے ہیں۔

تقسیمِ ہند کے بعد کے اثرات کا رمزی اور علامتی بیان۔ اس طویل عنوان کے تحت مصنف نے جگر صاحب کے ایک خط کا اقتباس درج کیا ہے جو انھوں نے ۱۹۴۹ء میں (یعنی تقسیمِ ہند کے بعد) مجھ گونڈہ سے بھیجا تھا۔ پھر ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

"اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے .... کہ انھیں
واقعات و حادثات سے متاثر ہو کر جگر کا احساس دل بالکل
بجھ گیا اور وہ کہنے لگے" (ص ۲)

بے کیفی دل ہے اور جیے جا رہا ہوں میں　　　خالی ہے شیشہ اور پیے جا رہا ہوں میں
وہ دل کہاں ہے اب کہ جسے پیار کیجیے　　　مجبوریاں ہیں ساتھ دیے جا رہا ہوں میں

اس سلسلے میں حسبِ ذیل اشعار بھی نقل کیے گئے ہیں۔

مرا نالہ جوشِ بکا ہو گیا مرا فرشِ نامہ فرا ہو گیا　　　کہ چمن میں پھول تو ہیں مگر ان میں بو وفا نہیں
معاذ اللہ اس کی واردات غم معاذ اللہ　　　چمن جس کا وطن ہو اور چمن بیزار ہو جائے
قیامت کیا ہے حسن وہ عالم ہوتی جاتی ہے　　　کہ محفل تو وہی ہے دلکشی کم ہوتی جاتی ہے

اس غزل کے دو اور شعر لکھنے کے بعد

حسنِ صورت کے بے حسرت سے کہ زمانے　　　اف کہ انساں ہیں مارے ہوئے انسانوں کے

اس غزل سے بھی کئی اور اشعار نقل کیے ہیں پھر آتشِ گل کے متعدد اشعار محمد اسلام صاحب نے یہ ثابت کرنے کے لیے درج کیے ہیں کہ ان سب شعروں میں "تقسیمِ ہند کے بعد کے اثرات کا رمزی اور علامتی بیان" پایا جاتا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اشعار ان غزلوں سے ماخوذ ہیں جو تقسیمِ ہند سے سالہا سال پہلے جگر صاحب نے کہی تھیں اس لیے کہ جب میں نے ۱۹۴۶ء میں آتشِ گل کا پہلا مسودہ مرتب کیا تھا تو جگر صاحب کی متعدد بیاضوں سے یہ غزلیں نقل کر کے ترتیب وار یکجا کر دی تھیں اس مسودہ کے کچھ اوراق اور یہ بیاضیں اب بھی گوشۂ جگر جامعہ ملیہ دہلی میں محفوظ ہیں۔ آتشِ گل کا پہلا اڈیشن تقسیمِ ہند (۱۹۴۷ء) کے دو سال بعد شائع ہوا تھا۔ غالباً اس لیے ڈاکٹر محمد اسلام یہ سمجھے کہ جگر صاحب نے یہ سب غزلیں تقسیمِ ہند کے بعد کہی تھیں۔ یقیناً آتشِ گل میں وہ غزلیں بھی شامل ہیں جو تقسیمِ ہند کے بعد کہی گئی تھیں، اس لیے صرف انھیں غزلوں کے اشعار اس عنوان کے تحت لکھنے چاہئیں۔ مجھے اس کو غلط بیانی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ میرا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ جگر صاحب کو قومی اور ملکی ابتری کا دلی احساس نہ تھا صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ مصنف نے کس قدر "تصرفِ بیجا" سے کام لیا ہے۔

کلامِ جگر پر جو تنقیدیں شائع ہوئی ہیں، مصنف نے ان کا بھی جائزہ لیا ہے بعض بعض اعتراضات کو صحیح تسلیم کیا ہے اور بعض بعض کی تردید بھی کی ہے اور نقادوں کی "لغزشیں" بھی بتائی ہیں (ص ۲۹۳ تا ص ۲۹۵) لیکن اس کے ساتھ ساتھ خود بھی کلامِ جگر پر چند در چند اعتراضات کیے ہیں ان کو پڑھیے اور مصنف کی "زبان دانی" اور "ذوقِ شعری" کی داد دیجیے۔

صرف چند اعتراضات بطورِ نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱)　لے چلا ہوں میں بھی نذرِ حسنِ جاناں کو جگر
　　ساتھ دل کے ایک سازِ آرزو ٹوٹا ہوا　(ص ۲۹۵)

محمد اسلام صاحب کو دوسرے مصرع میں "سازِ آرزو" پر اعتراض ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"یہ ترکیب غلط ہے کیونکہ آرزو کا کوئی ساز نہیں ہوتا جو ٹوٹ جائے" اس سے قطعِ نظر کہ انھوں نے ساز کی معنویت اور جامعیت پر غور نہیں کیا سازِ دل، سازِ تمنا وغیرہ وغیرہ تراکیب کے جواز میں دوسرے اساتذہ کے اشعار بھی سنداً پیش کیے جا سکتے ہیں۔

وہ دل ہوا خاکِ تپشِ غم سے مگر دل کی جگہ　　　اک خلش سی مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے
دل دھڑکنا بھی غنیمت ہے تری فرقت میں　　　کہ خبر تو مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے
(ص ۲۹۵)

محمد اسلام صاحب کو "ہوئی جاتی ہے" پر اعتراض ہے وہ لکھتے ہیں کہ "ہوئی" کی بجائے یک مجہول یعنی "ہوئے" کا استعمال ہونا چاہیے تھا۔ گویا ان کے نزدیک دونوں آخری مصرعے اگر یوں ہوتے تو زبان و محاورہ کے لحاظ سے ان کو صحیح کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ اک خلش سی مجھے معلوم ہوئے جاتی ہے
۲۔ کہ خبر تو مجھے معلوم ہوئے جاتی ہے

شاید ان کو معلوم نہیں کہ فعل اردو زبان میں فاعل کے تابع ہوتا ہے۔ اگر فاعل مذکر ہے تو فعل بھی مذکر آئے گا۔ اور اگر فاعل مونث ہے تو فعل کو مونث ہی لکھا جائے گا۔ ان دونوں مصرعوں میں خلش اور خبر دونوں مونث ہیں اس لیے دونوں جگہ "ہوئی" کا استعمال ہی صحیح ہے "ہوئے" کسی طرح صحیح نہیں بلکہ بالکل غلط ہے۔

(۲)　خیر اس کو نظر آئی شرر اس کو نظر آیا
　　آئینہ میں خود عکسِ آئینہ نگر آیا　ص ۲۹۵

اعتراض ہے کہ "خیر" یہاں مذکر ہے جگر صاحب نے مونث غلط استعمال کیا ہے!

یہ مصرع ہی محمد اسلام صاحب نے غلط نقل کیا ہے آتشِ گل کے دونوں اڈیشنوں میں یہ مصرع یوں چھپا ہے

خیر اس کو نظر آیا شرر اس کو نظر آیا

بہر حال یہ مصرع اور اعتراض دونوں غلط در غلط ہیں۔

(۳) اعتراض ہے کہ جگر صاحب نے "چشم جام بہ جام" اور "شوق نام بہ نام" کی بھی غلط ترکیب استعمال کی ہے (ص ۲۹۵) اور بعض اور فارسی ترکیبیں بھی بھدی اور غلط استعمال کی ہیں مثلاً خطرۂ التفات، جوششِ عشق، ستارۂ اقبال وغیرہ (ص ۲۹۵) مگر مصنف نے کوئی توجیہہ پیش نہیں کی کہ وہ ان کو کیوں

غلط سمجھتے ہیں اس لئے یہ اعتراضات کوئی وقعت نہیں رکھتے باقی دوسرے اعتراضات بھی اسی قسم کے "پوچ" اور پادر ہوا ہیں اور زیادہ تر خود مصنف کے ذوقِ شعری کے آئینہ دار ہیں یہ سب اعتراضات غالباً اس لئے کئے گئے ہیں کہ ڈاکٹر محمد اسلام کو اپنی زبان دانی کا اظہار مقصود تھا اور وہ ان کو اپنے مقالے کی تحسین کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔

یہ ضخیم کتاب نومبر ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی تھی مگر اب تک اس پر کوئی تفصیلی تنقید یا تبصرہ کم از کم میری نظر سے نہیں گزرا۔ بہرحال میں نے اپنے مضمون میں یہ "فرض کفایہ" ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر اس تفصیل و تطویل کے باوجود میرا مضمون بھی محض ایک سرسری جائزہ ہے اگرچہ اس میں کتاب کے چند خاص خاص نقائص بیان کئے گئے ہیں مگر اس کو تنقیص محض " نہ تصور کیا جائے کیونکہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ صداقت و دیانت پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ مجھے کتاب کے بہت سے محاسن سے ہرگز انکار نہیں۔

پچھلے دور کے شعرائے کرام کی صف میں جگر کو جو مرتبہ و مقام حاصل ہے۔ اس کے پیشِ نظر ان کی ہردلعزیز شخصیت اور شاعری حقیقتاً اس کی مستحق تھی کہ اس پر خاطر خواہ ریسرچ کی جائے۔ اس لحاظ سے ڈاکٹر محمد اسلام بھی داد و ستائش کے مستحق ہیں، اور ان کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ جگر صاحب سے متعلق اتنی کثیر معلومات کا ذخیرہ فراہم کر لیا۔ لیکن اس کے ساتھ مجھے یہ بھی لکھنا پڑتا ہے کہ ان کے مقالے میں وہ "محققانہ" شان نہیں پائی جاتی جو ایک بالغ نظر ریسرچ اسکالر کا طرۂ امتیاز ہے۔

ملک کے مشہور و ممتاز ادیب و نقاد پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی نے اس کتاب کو بہت سراہا ہے۔ مجھے موصوف کے اس خیال سے تو اتفاق نہیں کہ یہ مقالہ مستند اور معیاری ہے لیکن موصوف کی اس رائے کی میں لفظاً بہ لفظاً تائید کرتا ہوں کہ

> "اب تک اس موضوع پر اتنا مفید مواد کہیں
> اور یکجا نہ ملے گا جگر پر آئندہ کام کرنے والوں
> کو اس ذخیرۂ معلومات سے بہت فائدہ
> پہنچے گا اور ان کے تحقیقی کاموں میں سہولت
> پیدا ہوگی۔۔۔۔۔"

"ہماری زبان"

کو مضامین و مراسلات ارسال کرتے وقت یہ خیال رکھیں کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔　　(ادارہ)

مراسلات

سر سید کی یاد کا ایک بند

یکم دسمبر ۱۹۶۸ء کے "ہماری زبان" میں عطا کاکوی کی ایک نظم "سر سید کی یاد" کے عنوان سے شائع ہوئی ہے جس کا ساتواں بند صیغۂ واحد متکلم میں کہا گیا ہے ہر چند کہ فنی اعتبار سے اس بند میں کوئی سقم نہیں ہے مگر نظم کے مزاج کے پیشِ نظر اگر یہ (ساتواں) بند صیغۂ جمع متکلم میں ہو اور اس کے مصرعوں میں مندرجۂ ذیل تبدیلی کو گوارا کر لیا جائے تو میرے خیال سے نظم کا مجموعی تاثر اور بڑھ جائے گا۔

تو ہے محسن ترے احسان بھلائیں کیسے　　دل میں جذبات ابھرتے ہیں دبائیں کیسے
غم کا افسانہ ہے / غم کے افسانے ہیں طومار سنائیں کیسے　　اپنے دکھ درد جو ہیں ان کو دکھائیں کیسے

خاک تیری بخدا ابرِ سے دنا دیتی ہے
ایک اک اینٹ علی گڑھ کی دعا دیتی ہے

(بدیع الزماں خاور)

غالب کی ایک غزل

دو سال ہوئے کہ کسی رسالے میں میں نے غالب کی غزل ع

ہر جستجو عبث جو تری جستجو نہ ہو

پڑھی تھی۔ مضمون نگار نے لکھا تھا کہ انھوں نے یہ غزل دہلی یا لاہور میں کسی قوال سے سنی تھی اور قوال نے وثوق سے کہا تھا کہ یہ نایاب غزل غالب ہی کی ہے۔ کسی صاحب کو اس غزل کے بارے میں معلوم ہو تو مطلع فرمائیں۔　　(ابن غوری دکنی)

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

افکارِ میر

مرتب:۔ ایم۔ حبیب خاں،

صفحات:۔ ۲۲۴، قیمت:۔ نو روپے

ناشر:۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ۔

آزادی کے پیش رو (اردو)

شائع کردہ:۔ پبلی کیشنز ڈویژن، دہلی

صفحات:۔ ۱۰۳

اردو اور بنگالی

مصنف:۔ ڈاکٹر شانتی رنجن بھٹاچاریہ

ملنے کا پتہ:۔ نور محمد اینڈ سنس ۳۶ رما روڈ، ساؤتھ ٹالی گنج، کلکتہ ۳۳

صفحات:۔ ۳۰۸

قیمت:۔ دس روپے

ناظر عاشق ہرگانوی

اخبار و رسائل میں غالب

(گذشتہ سے پیوستہ)

۴۵۔ غالب کا مجسمہ — ہندوستان کے ایک نوجوان فنکار نادرہ (ظاہر ایم سعید) نے تیار کیا ہے اور جس کی نقاب کشائی رام پور میں کی جا رہی ہے۔ یکم مارچ ۶۹ء

۴۶۔ یوم غالب دلی۔ انجمن ترقی اردو صوبہ دلی کے زیر اہتمام — ۸ر مارچ ۶۹ء

۴۷۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں یوم غالب — ۸ر مارچ ۶۹ء

۴۸۔ اردو کی کمیاب مطبوعات (کانپور کے ذخیرے سے) محمد انصار اللہ نظر۔ ۱۳ کلیات ہوش نیاز احمد خاں بریلوی شاگرد اسیر۔ اس میں قطعات تاریخ درج ہیں۔ دو قطعہ غالب سے متعلق بھی ہیں (۱) قطعہ تاریخ انطباع دستنبوئے مصنفہ مرزا اسد اللہ خاں غالب ؎

شدہ مطبوع دستنبوئے غالب   ہر کس چوں چمن محبوب دل شد
چوگل مطبوع طبع ہوش گردید   ازیں رو سال او مرغوب دل شد

(۲) قطعہ تاریخ وفات جناب نواب مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی ؎

اسد اللہ خاں غالب جب   ہوئے دار البقا ہوئے راہی
کہا ہاتف نے ہوش اب ہوئے وہ   اسد بیشۂ سخن بھی ۱۲۸۵ھ

۱۴ عطر مجموعہ از تصنیف غلام حسنین قدر شاگرد مرزا غالب

۱۵ فروغ خورشید مصنفہ بی بی خورشید جان طوائف متخلص بہ حسین اس پر قطعہ تاریخ مولوی غلام بسم اللہ متخلص بہ بسمل شاگرد حضرت غالب دہلوی وغیرہ بھی درج ہے — ۱۵ر مارچ ۶۹ء

۴۹۔ میاں تشنہ۔ نور الحسن ہاشمی — غالب کے معاصر منشی محمد علی تشنہ پر تحقیق ہے۔ جس میں یہ بھی گمان ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ شعر ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

غالب کا نہیں بلکہ تشنہ کا ہے — ۱۵ر اپریل ۶۹ء

۵۰۔ کاوش و خاش پر غالب کی تقریظ (مراسلہ از عبد الوہاب تسنیم بارہ دری) — ۱۵ر اپریل ۶۹ء

۵۱۔ انجمن کے جلسے — جلسے کے فیصلے میں غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر انجمن کی طرف سے کچھ کتابوں کی اشاعت کا پروگرام بھی بنایا گیا — علی گڑھ — ۲۲ر اپریل ۶۹ء

۵۲۔ غالب کی صد سالہ برسی — دار انسی — ۲۲ر اپریل ۶۹ء

۵۳۔ غالب (نظم) — احمد رئیس — ۲۲ر اپریل ۶۹ء

۵۴۔ سالانہ اجلاس انجمن ترقی اردو صوبہ دہلی (غالب یادگار کمیٹی کی تجویز) — ۸ر مئی ۶۹ء

۵۵۔ سیر بین۔ آل احمد سرور — غالب کے اشعار سے لطف بیان پیدا کیا گیا ہے — ۱۵ر مئی ۶۹ء

۵۶۔ کاوش و خاش پر غالب کی تقریظ۔ (مراسلہ از نصیر الدین ہاشمی، ۱۵ر اپریل ۶۹ء کے مراسلے کا جواب — ۱۵ر مئی ۶۹ء

۵۷۔ غالب کی نایاب تصویر (بحوالہ آبشار کلکتہ) — ۲۲ر مئی ۶۹ء

۵۸۔ ایک عاشق کا کارنامہ — اداریہ — ایک منظاسی چاول پیدا کرنے والے عطار اللہ گردانی نے اپنی وصیت میں اپنے دس لاکھ ڈالر کے سرمائے کا آدھا حصہ مرزا اسد اللہ خاں غالب اور میر تقی میر کے کلام کے انگریزی ترجمے اور ان کے متعلق کتابوں کے لئے وقف کیا ہے۔ غالب سے تو ذاتی عشق تھا۔ ۱۹۵۵ء میں انھوں نے ڈاکٹر ذاکر حسین کو جب وہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے وائس چانسلر تھے، ایک گراں قدر عطیہ دیا تھا کہ دیوان غالب کے انگریزی میں ترجمے کے لئے سید حسین چیئر اور منشی نول کشور کے کارنامے کو اجاگر کرنے کے لئے فیلوشپ قائم کی جائے — یکم جولائی ۶۹ء

۵۹۔ سیر بین — آل احمد سرور۔ ترقی، آندھی اور آسام کے ذکر میں غالب کا حوالہ — یکم جولائی ۶۹ء

۶۰۔ تلامذہ غالب میں ذکر آشفتہ (مراسلہ از محمد بشیر الحق دسنوی) یکم اگست ۶۹ء

۶۱۔ غالب پر روسی کتاب (بحوالہ قومی آواز لکھنؤ) یکم ستمبر ۶۹ء

۶۲۔ مرزا غالب کی برسی کراچی میں (بحوالہ انقلاب کراچی) ۲۲ر ستمبر ۶۹ء

۶۳۔ اگلے سال یا پچھلے سال (مراسلہ) غالب کے اشعار سے مثال — ۲۲ر ستمبر ۶۹ء

۶۴۔ کاتب کی کرشمہ سازی (مراسلہ از امین نور الحسن انور ادیب)۔ غالب کے اس شعر ؎

حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

کی صحت سے متعلق اپنے شک کا اظہار — ۸ر نومبر ۶۹ء

۶۵۔ مشکلات غالب (مراسلہ از نیاز)۔ غالب کے اس شعر پر ؎

دوست کا پردہ ہے بے گانگی   منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہئے

نیاز فتح پوری کے مفہوم کی تردید — ۸ر نومبر ۶۹ء

۶۶۔ مرزا غالب کا یوم پیدائش۔ سکریٹری غالب اکیڈمی بنارس — ۱۵ر نومبر ۶۹ء

(باقی آئندہ)

اتر پردیش میں لسانی اقلیتوں کے تحفظ کی کمیٹی کا تقرر

لکھنؤ:۔ حکومت اتر پردیش نے لسانی اقلیتوں کی جائز شکایات کو دور کرنے اور ان کے تحفظ سے متعلق جو مختلف اقدامات کئے گئے ہیں ان پر یقینی طور پر عمل درآمد کے مقصد کے پیش نظر ۶ ممبروں پر مشتمل ایک نگراں کمیٹی کی تشکیل کی ہے۔ اس کمیٹی کے چیرمین گورنر ڈاکٹر بی گوپالا ریڈی ہیں۔ کمیٹی کے دوسرے ممبران جناب آنند نرائن ملا ایم۔ پی، پروفیسر آل احمد سرور، جناب حیات اللہ انصاری ایم پی، سکریٹری محکمہ تعلیم، قومی یکجہتی اور محکمہ اطلاعات کے سکریٹری اور لسانی اقلیتوں کے افسر (کمیٹی کے سکریٹری) ہیں۔ ریاست میں اردو بولنے والوں کو تعلیم اور نظم و نسق میں ہر طرح کے ضروری تحفظ اور سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ احکام بھی جاری کئے گئے ہیں کہ اردو بولنے والوں کو اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے اور اردو بحیثیت مضمون پڑھنے کے سلسلے میں جو کچھ سہولتیں دی گئیں ہیں وہ بدستور جاری رہیں گی۔ اس کے علاوہ لسانی اقلیتوں کے تحفظ کے سلسلے میں جو سہولتیں دی گئی ہیں ان پر مکمل طور پر عمل درآمد ہوگا۔ حکم میں کہا گیا ہے کہ یہ سہولتیں کم نہیں کی جائیں گی۔ حکومت کو وقتاً فوقتاً اردو اداروں اور تنظیموں سے ایسی شکایتیں موصول ہوتی ہیں کہ اس سلسلہ میں سرکاری احکام پر عمل درآمد نہیں ہو رہا ہے اور اس طرح اردو بولنے والوں کے لئے بہت زیادہ دقت پیدا ہوگئی ہے۔ ایسی تمام شکایتوں کی جانچ کی جاتی ہے اور انھیں دور کرنے کے لئے مناسب اقدامات کئے جاتے ہیں اس سلسلہ میں زیادہ توجہ دینے کے لئے اردو کمیٹی کی جگہ یہ نئی کمیٹی قائم کی گئی ہے۔ (قومی آواز)

تمام ریاستوں میں سہ لسانی فارمولے پر عمل درآمد کرایا جائے گا

نئی دہلی:۔ وزیر تعلیم ڈاکٹر ترگنا سین نے راجیہ سبھا کو بتایا کہ مرکزی مشاورتی بورڈ برائے تعلیم نے جس کی قائمہ مقرر کمیٹی ۲۰ اور ۲۱ جنوری کو حیدرآباد میں اس کا انتظام کرنے کے لئے ہوگا کہ تمام ریاستیں سہ لسانی فارمولا پر عمل درآمد کریں۔ وزیر تعلیم نے جو جناب اسیں کے دیشپانڈے کو جواب دے رہے تھے، یہ بھی کہا کہ تمام ریاستی حکومتیں اس وقت مرکزی حکومت سے مشورہ کرتے ہوئے تعلیم پر اپنا چوتھا پنج سالہ منصوبہ ترتیب دے رہی ہیں اور ریاستیں اپنے منصوبوں میں مرکزی مشاورتی بورڈ برائے تعلیم کی قرارداد پر عمل درآمد کا انتظام کر رہی ہیں۔ اس سے پہلے وزیر ریاست برائے تعلیم پروفیسر شیر سنگھ نے کہا تھا کہ مرکزی مشاورتی بورڈ برائے تعلیم نے اپنے گذشتہ جلسہ میں متفقہ طور پر یہ قرارداد منظور کی تھی کہ قومی یکجہتی کو فروغ دینے کا پروگرام جس میں سہ لسانی فارمولے پر عمل درآمد شامل ہے چوتھے پنج سالہ منصوبہ کے کم سے کم پروگراموں میں سے ہونا چاہئے۔ جناب دیشپانڈے کے یہ دریافت کرنے پر کہ کیا شمالی ریاستیں سہ لسانی فارمولے پر عمل درآمد کر رہی ہیں، پروفیسر شیر سنگھ نے کہا کہ شمالی ریاستیں اپنے اسکولوں میں دوسری زبانیں سکھانے کی امکانی کوشش کر رہی ہیں۔ بہت سی ریاستوں میں اس سہ لسانی فارمولے پر عمل درآمد ہو چکا ہے کچھ ریاستوں کو ترغیب بھی دی جا رہی ہے کہ وہ اس پر موثر طور پر عمل درآمد کریں۔ جناب بھوپیش گپتا نے شکوہ کیا کہ آسنسول میں، جو مغربی بنگال میں واقع ہے کچھ اسکولوں میں اردو پڑھانا ختم کیا جا رہا ہے، جو طالب علم اردو پڑھنا چاہتے ہیں ان سے کہا جا رہا ہے کہ وہ اردو پڑھنے کے

نے کوئی دوسرا اسکول تلاش کریں۔ کیا وزیر صاحب اس کے انتظامات کریں گے کہ اردو کی پڑھائی بند نہ ہو۔ ڈاکٹر ذاکر حسین نے کہا کہ وہ واقف نہیں ہیں کہ اسکولوں میں ایسا ہو رہا ہے۔ ریاستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا انتظام کریں کہ پرائمری درجات میں بچوں کو ان کی مادری زبان میں پڑھایا جائے۔ میں ریاستی حکومت سے کہوں گا کہ وہ اس پر عمل درآمد کرائے۔ ڈاکٹر حسین نے جناب زنجین ورما کو بتایا کہ صرف ایک ریاست ایسی ہے جس نے اب تک سہ لسانی فارمولا نہیں مانا ہے۔ اس ریاست کی ودھان سبھا نے ایک قرارداد منظور کی ہے جس میں دو لسانی فارمولا مانا گیا ہے۔ ہم اس ریاست پر بھی زور دے رہے ہیں کہ وہ سہ لسانی فارمولا قبول کرے۔ دوسری تمام ریاستوں نے سہ لسانی فارمولا قبول کر لیا ہے اور اس پر عمل درآمد کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

(قومی آواز)

اردو پورے ملک میں ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے

انبالہ:- صدر آل انڈیا ہریجن لیگ جناب جگت امین چند نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ اردو زبان کے خلاف فرقہ پرست شور مچا رہے ہیں اور اردو کو مسلمانوں کی زبان کہہ کر ہندوستان کے بھولے بھالے عوام کو فرقہ پرستی کے جال میں پھنسا کر ایک عظیم قومی گناہ کر رہے ہیں اور ملک میں فرقہ پرستی کو پھیلا رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان لشکر کی زبان ہے یعنی مختلف مذہبوں کی مشترکہ فوج کی زبان ہے یہ الفاظ اردو کی ہر لغت میں مل جائیں گے اس انمول خزانے کو فرقہ پرست دبا دینا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ وہ حکومت ہند سے مطالبہ کریں گے کہ اردو زبان کو فرقہ پرستوں سے بچایا جائے۔ انھوں نے کہا کہ آزادی کے ۲۱ سال بعد بھی ملک بھر میں دوسری زبانوں کے شاعروں سے اردو زبان کے شاعروں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کی شاعری سب سے اچھی شاعری ہے اور ہندوستان بھر میں جتنے اخبارات جن جن زبانوں میں چھپتے ہیں ان میں اردو کے اخبارات اور رسالوں کی اشاعت سب سے زیادہ ہے جیسا کہ حکومت کی چھپنے والی رپورٹ بھی ثابت کرتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان ہندوستان کے دارالحکومت دلی میں پروان چڑھی لکھنؤ نے اسے ادب دیا۔ پنجاب، سندھ، اور سرحد میں یہ پھلی پھولی۔ انھوں نے کہا کہ اگر دیکھا جائے تو اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو ہندوستان بھر میں بولی پڑھی اور لکھی جاتی ہے اور اردو کشمیر سے آسام تک اور راس کماری سے نیفا تک بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ (قومی آواز)

انجمن ترقی اردو بنگال کا غالب صدی پروگرام

کلکتہ:- جناب ایم اے مجید اعزازی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو مغربی بنگال نے غالب کی صد سالہ برسی کے سلسلے میں جو نہ صرف سارے ملک بلکہ کئی دوسرے ملکوں میں منائی جائے گی، حسب ذیل اعلان جاری کیا ہے۔ ریاست بنگال کئی رخوں میں خصوصاً اس کا بین الاقوامی شہر کلکتہ ہندوستان میں زبان و ادب کا ہر دور میں ایک اہم مرکز رہا ہے اور یہ گیسوئے اردو کی آرائش میں شہر کلکتہ کی خدمات اہل علم سے پوشیدہ نہیں اردو میں نثری ادب کی ترویج برصغیر ہند میں کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج کی طرف سے ہی ہوئی آج بھی یہاں اردو شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ ریاستی انجمن ترقی اردو مغربی بنگال پچھلے دس سال بیس برسوں سے اپنے وسائل کی حد تک ریاست میں اردو زبان کی ترویج و ترقی کے لئے برابر کوشش کرتی رہی ہے۔ اپنی زندگی میں مرزا اسد اللہ خاں غالب کو کلکتہ سے خصوصی تعلق رہا ہے اس عظیم شہر کو ان کی میزبانی کا بھی شرف حاصل ہے۔ یہ جو کچھ دن گزرے غالب کے قلب و جگر پر ایک گہرا نقش چھوڑ گئے۔

ان دنوں غالب کی وفات کے سو سال پورے ہو رہے ہیں اور اس موقع کو یادگار کے طور پر منانے کی تیاری نہ صرف ہندوستان جہاں غالب پیدا ہوئے تھے بلکہ سارے عالم میں ہو رہی ہے۔ ترقی اردو (مغربی بنگال) نے بھی اپنے روایتی انداز میں اس تقریب کو مؤثر اور شاندار پیمانے پر منانے کے لئے شہر کی متعدد ہستیوں ادیبوں، شاعروں اور سرگرم کارکنوں پر مشتمل غالب صد برسی کمیٹی کی تشکیل کی ہے اس کمیٹی نے اس اہم موقع کے لئے پروگرام بنایا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ غالب کے منتخب اردو کلام کا بنگلہ ترجمہ غالب کے فکر و فن سے متعلق اردو کا مجموعہ دونوں تصانیف کے سلسلے میں کافی کام ہو چکا ہے۔

...ں بڑے پیمانہ پر مشاعرہ اس غرض سے سارے ہندوستان کے اور مشاہیر شعرا کرام کو شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔ غالب ...ی کی زبان اردو پر مقالے جا رہے ہیں اور تقاریر اس غرض سے ... زبانوں کے مقامی اور غیر مقامی ارباب علم کو دعوت ...۔ غالب کی تصانیف اور غالب سے متعلق تصانیف ...ی نمائش۔ اس غرض سے مختلف لائبریریوں، کتب ...ی کتب خانوں سے کتابیں حاصل کرنے کی کوشش ہے۔ غالب اور ان کے معاصرین کے مشاعرہ کا انعقاد۔ ...ی شروع ہو چکی ہیں۔ غالب کے کلام کو ماہر اور ممتاز ... ذریعہ پیش کرنا۔ غالب سے متعلق اسکول، کالج ... طلبہ کے درمیان مضمون نویسی کے انعامی مقابلے ... مدارس طلبہ کے درمیان تقریری مقابلے کا انعقاد۔ اسکول ...میان بیت بازی کا مقابلہ۔ چھوٹے بچوں کے درمیان ...ہ کی نغمہ سرائی کا انعامی مقابلہ۔ اس سلسلے میں تمام ... اسکول، کالج اور یونیورسٹی کو بھیم پہنچائی جا رہی ...یونیورسٹی کے اردو کے طالب علم کو یادگار غالب وظیفہ ...ی یادگار مجلہ کی ترتیب و اشاعت اس یادگار مجلہ ... سے متعلق مضامین نظم و نثر اور یادگار تصاویر شامل ہوں ... شاہراہ کا نام غالب کے نام پر رکھوانا۔ ایلیٹ ... غالب کے نام پر رکھوانا۔ کلکتہ مدرسہ میں اور ...کی قیام گاہ کلکتہ پر تختی نصب کروانا۔ کلکتہ کارپوریشن ...ستے کا نام بدلنے کی تجویز کو عملی طور پر منظور کر لیا ہے۔ دیگر ... جاری ہیں۔

...کزی جلسہ گاہ سے متصل غالب جیلے کا انعقاد۔ مندرجہ بالا ... کامیابی کے ساتھ منانے اور یادگار بنانے کے لئے ضروری ... پوری ریاست کے اردو دوستوں کا عملی تعاون حاصل ...

(مشہد)

...سٹی میں جشن غالب کا دوسرا جلسہ

...یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کی غالب صدی جشن کمیٹی ... جشن غالب کا دوسرا جلسہ زیر صدارت پروفیسر ...رشن عطا کاکوی منعقد ہوا۔ شعبۂ اردو کے طلبہ نے ... غزل بسلسلہ کو رس پیش کی۔ ڈاکٹر ظفر احمد کاکوی ... کیا۔ نظم و غزل اور پیروڈی بھی پڑھی گئی۔ ان ...میں فصیح الزماں، امانت حسین، اشرف علی، ...سلمان غنی، یادگار حسین صاحبان اور ... جناب قمر اعظم ہاشمی نے اپنا مقالہ "لذت ... سید حسن نے غالب کی زمین میں لکھی ... عسکری نے غالب کے دس منتخب مصرعے سنائے۔ آخر میں صاحب صدر پروفیسر عطا کاکوی نے غالب پر ایک نظم سنائی۔ جناب قمر اعظم ہاشمی نے شرکاء جلسہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جلسے کے اختتام کا اعلان کیا۔ (سکریٹری)

مدار گیٹ جونیر کالج اوجین میں "غالب ہال" کا افتتاح

اوجین:- یہاں غالب صد سالہ جشن کی تقریبات کا آغاز مقامی مدار گیٹ جونیر کالج میں "غالب ہال" کی افتتاحی تقریب سے ہوا۔ افتتاح کی رسم مادھو کالج اوجین میں اردو کے استاد جناب اطہر راہی کے ہاتھوں انجام پائی اس موقع پر مادھو کالج میں اردو کے استاد جناب آفاق حسین صدیقی نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ اسی سلسلے میں رات کو ۹ بجے غالب ہال میں اوجین کے بزرگ شاعر جناب عطا الہٰی صدیقی صاحب کی صدارت میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا جس میں اوجین کے شعرا نے حصہ لیا۔ اس جلسہ کو کامیاب بنانے میں کالج کے طلبہ جناب عبد الحفیظ، جناب عبد العزیز اول اور جناب عبد العزیز دوم، جناب عبد الحمید، جناب خلیل الرحمٰن، جناب رضا علی، جناب محمد عابد، جناب رشید احمد نے نمایاں حصہ لیا۔ (نامہ نگار)

اردو میں وہابی ادب

دہلی:- دہلی یونیورسٹی اردو ریسرچ ایسوسی ایشن شعبۂ اردو کے زیر اہتمام ۲۸ نومبر سنہ ۱۹۶۸ء کو ٹیگور ہال ٹٹوریل بلڈنگ میں پروفیسر خواجہ احمد فاروقی صدر شعبۂ اردو نے "اردو میں وہابی ادب" کے عنوان پر اپنا مقالہ پڑھا۔ جلسہ کی صدارت پروفیسر محمد مجیب وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ نے فرمائی۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے اپنے مقالہ کی ابتدا وہابی ادب کے پس منظر اور وہابی ادب کے بنیادی تصورات کے تذکرے کی۔ انھوں نے وہابی تحریک کے خد و خال اس کے ادب اور اس کے معاصرین کی تحریروں کے آئینے میں دیکھنے کے بعد فرمایا کہ یہ تحریک ہندی مسلمانوں میں ایسی غلط رسوم کے خلاف جہاد کرنے کے لئے وجود میں آئی تھی جو اسلام کے بنیادی تصورات کے خلاف تھیں مثلاً غیر کو خدا کے ساتھ شریک وجود ٹھہرایا یا تمام معبودوں کو عین اللہ سمجھنا۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ وہابی تحریک ہندوستان کے کسی مذہبی فرقہ کی مخالف نہیں تھی۔ بعد کو شہنشاہی مصلحتوں نے بہت سے مخطوطات اور معاصر تحریروں میں ترمیم و الحاق کے ذریعہ ان کی انگریز دشمنی کو فرقہ وارانہ منافرت کا رنگ دے دیا۔ ادبی نقطۂ نظر سے وہابی علما کی یہ کوشش بھی قابل قدر ہے کہ انھوں نے آسان اور سادہ نثر کی ترویج میں حصہ لیا۔ اور اپنے خیالات کو سیدھی سادی اردو میں وسیع عوام تک پہنچانے کی عظیم الشان کوشش کی چنانچہ اردو نثر کے ارتقا کی جو داستان فورٹ ولیم کالج، دہلی کالج، غالب کے خطوط اور سرسید کی ادبی تحریروں تک پھیلی ہوئی ہے وہابی تحریک اس کی ایک اہم تاریخی کڑی ہے۔ آخر میں پروفیسر مجیب نے اس عالمانہ مقالہ پر جو بیشتر قلمی مواد کی مدد سے تیار کیا گیا تھا خوشی کا اظہار فرمایا اور ڈاکٹر محمد حسن نے صاحب صدر کا شکریہ ادا کیا۔ (سید ظہیر الحسن سکریٹری)

اردو زبان نے کشمیریوں کو متحد کر دیا ہے

بمبئی۔ جموں و کشمیر کے وزیر اعلیٰ جناب غلام محمد صادق نے زبان کے معاملے میں بعض لوگوں کی شدت پسندی کی مذمت کی اور کہا کہ اس سے ملک کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ وہ انجمن اسلامیہ کی طرف سے دئیے گئے ایک استقبالیے میں تقریر کر رہے تھے انھوں نے عوام سے اپیل کی کہ وہ ایک دوسرے کی زبان سے محبت کریں۔ انھوں نے لوگوں سے کہا کہ وہ اپنی علاقائی زبانوں اور مادری زبان کو نظر انداز نہ کریں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں ایک مشترکہ زبان کی بھی ضرورت ہے۔ وزیر اعلیٰ نے اردو زبان کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس نے کشمیریوں کو متحد کر دیا جو مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ (الجمعیۃ)

اردو میں انسانی حقوق کا چارٹر تقسیم نہ کرنے پر پارلیمنٹ میں ہنگامہ

نئی دہلی۔ پارلیمنٹ میں اس وقت سخت ہنگامہ ہوا جب اسپیکر جناب سنجیوا ریڈی نے انسانی حقوق سے متعلق اقوام متحدہ کا چارٹر پڑھ کر ایوان میں سنایا اور اعلان کیا کہ یہ چارٹر ہندوستانی زبانوں میں بھی ممبران کو دیا گیا ہے۔ اس پر مولانا اسحاق سنبھلی نے سخت احتجاج کیا اور کہا کہ چارٹر کا ترجمہ اردو میں کیوں نہیں مہیا کیا گیا جناب فرنانڈیز نے سوشلسٹ نے مراٹھی میں نہ ہونے کی شکایت کی۔ پھر دونوں ممبروں نے کھڑے ہو کر احتجاج کرنا شروع کر دیا جس سے ایوان کی کارروائی رک گئی۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ساری دنیا میں انسانی حقوق کا دن منایا جا رہا ہے۔

مولانا نے کہا کہ اردو جیسی عظیم زبان میں چارٹر چھپا نہ کرنا اردو داں انسانوں کے حقوق کی پامالی ہے انھوں نے موافق و مخالف آوازوں کے شور میں اعلان کیا کہ اس مسئلے کو طے کئے بغیر ایوان کی کارروائی آگے نہ چل سکے گی بالآخر وزیر امور پارلیمان جناب رام سبھاگ سنگھ نے معذرت کی اور وعدہ کیا کہ چارٹر کا ترجمہ اردو اور مراٹھی میں بھی چھپا کیا جائے گا تب ایوان میں خاموشی ہوئی اور کارروائی آگے چل سکی۔ (الجمعیۃ)

حلقہ ارباب فکر کی نشست

دہلی۔ ملک کے ممتاز شاعر و ادیب جناب سید علی جواد زیدی کے اعزاز میں حلقہ ارباب فکر کی ایک مخصوص نشست منعقد ہوئی جس میں جناب شمیم کرہانی، جناب مشیر جھنجھانوی، پروفیسر شہاب جعفری، جناب مخمور سعیدی، جناب وریندر سنگھ ذکی، جناب کمار پاشی، جناب حامد دہلوی، جناب ست نام سنگھ خمار، جناب رفعت کاکوروی، پروفیسر جاوید وششٹ وغیرہ نے شرکت کی۔

شروع میں جدیدیت سے متعلق کچھ گفتگو ہوئی پھر حضرات شعراء نے اپنے تازہ کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے اشعار کے کچھ اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

رکھتا ہے تو جیودوں کو تو رکھنے نگاہوں میں
خوشبو تو کسافر ہے کھو جائے گی راہوں میں
شمیم کرہانی

جب بھی کوئی تاریخ صنم خانہ لکھے گا
اس کھری شوریدہ سری کو یاد رہے گی
مشیر جھنجھانوی

چلے جنوں کی منزل بیدار کی طرف
اک قافلہ گیا ہے سوئے دار کی طرف
شہاب جعفری

ابھی کچھ آئینے اس خاکداں میں روشن ہیں
ابھی ہے اگرچہ بیاں گرچہ ملال بہت
مخمور سعیدی

سبو کا دور ہے رقصاں ہے زندگی میری
ولیعہ گردش دوراں لیے ہے زندگی میری
وریندر سنگھ ذکی

آیا بسنت پھول بھی شعلوں میں ڈھل گئے
میں چومنے لگا تو مرے ہونٹ جل گئے
کمار پاشی

جناب علی جواد زیدی نے آخر میں کئی نظمیں اور تازہ غزلیں سنا کر سامعین کو مسرور کیا۔ مرزا غالب کی زمین میں جو غزل سنائی اس کے دو اشعار نذر قارئین ہیں۔

کتنے دل ٹوٹتے ہیں دنیا کو خبر ہونے تک
کتنے سر پھوٹتے ہیں دیوار میں در ہونے تک
جب تجلّیں دے گا زمانہ تو نہ امید نہ یاس
شاخ کو خوف ہے بے برگ و ثمر ہونے تک

(وحید اختر)

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ و پرنٹر پبلشر سید بنیاد علی نے لیتھو کلر پریس علی گڑھ میں چھپا یا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی ار...